© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

قرآن کا تصوّرِ وحی و تنزیل

انسانی تہذیب و تمدن کے دو موڑ

تاریخی لحاظ سے عالمِ انسانیت کے تہذیبی ارتقا پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تمام تر تگ و دَو اور کامرانیوں کا حاصل ہمیشہ دو چیزیں رہی ہیں۔ ایک وہ کوششیں جو تلاشِ حقیقت کے سلسلہ میں عقل و خرد کے بل بوتے پر انسان نے از خود انجام دیں اور اس کے نتیجے میں فطرت کے رازہائے درون پردہ کا انکشاف ہوا۔ دوسرے فیضانِ ربوبیت کا وہ کرشمہ جس نے ہر ہر دَور میں اس کی روحانی و اخلاقی سطح کو رفعتیں عطا کیں۔ یعنی دریافت (DISCOVERY) کی برکتیں اور وحی و الہام (REVELATION) کی دستگیری۔

یہی وہ دو محور ہیں جن کے گرد ہزاروں برس ارتقا کا عملیہ گھومتا رہا۔ اور یہی وہ دو روشنی کے مینار ہیں، زندگی کے بحرِ بے کراں میں جن کی تابش و ضو سے تہذیب و تمدن کے سفینے رواں دواں رہے۔ طائفہ فکر و دانش کے گلِ سر سبد جنھوں نے ماضی میں حقیقت کو پالینے کی سعی کی، کنفیوشس، سقراط، افلاطون اور ارسطو کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور وہ گروہِ پاک جس نے انسانیت کو تزکیہ و تحلیہ کی راہ دکھائی، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور آنحضرت (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

تاریخ کے اس تجزیہ سے محسوس ہوتا ہے کہ انسان کی سعیِ فکر و تعمق اور آسمانی فیوض و ہدایت سے بہرہ مندی کی راہیں جدا جدا اور مختلف ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تجزیہ سراسر وہم و خیال کی فسوں سازی ہے۔ ورنہ یہ دونوں در اصل ایک ہی حقیقت کے دو پرتو اور انعکاس ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات علم و حکمت نے اپنے اظہار کے لیے تکوین و تشریع کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو سطحیں پسند کیں۔ تکوینی سطح پر توان سے چاہا کہ انسان اپنی فکری و عقلی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور تجربہ و مشاہدہ کی مدد سے بالاتر حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور تشریعی سطح پر اس کے فیضِ ربوبیت نے یہ چاہا کہ ایسے انبیا و رسل کو دنیا میں مبعوث فرمائے جو اپنی تعلیمات و عمل سے انسان کو رشد و ہدایت کی راہ دکھائیں، اور اس کے اندر کے اس فائق تر انسان کو نکھاریں، جو خدا سے ڈرتا ہے، خدا سے محبت رکھتا ہے اور اس حقیقت سے آشنا ہے کہ تسخیر کائنات کا راز کیا ہے؟ مزید برآں جو اس فلسفہ سے آگاہ ہے کہ انسانی رشتوں کو کیونکر عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار کرنا ممکن ہے۔

وحی و تنزیل اور دریافت و یافت کی فکری و عملی کوششوں میں کہیں تضاد یا تناقض نہیں پایا جاتا۔ دونو میں ہم آہنگی اور اتحاد ہے، دونوں انسان کی فلاح و بہبود کے لیے برابر کوشاں رہتے ہیں، اور دونوں ہی کی غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کسی نہ کسی طرح انسان کی تکمیل کی جائے اور اس کو فطرت کا راز داں بنایا جائے۔ دوسرے لفظوں میں، عقل و خرد کے تقاضے اور مذہب و دین کے واجبات، دو متناقض پہلو ہونے کے بجائے اس کے تکمیلی اجزا ہیں جو انسانی فطرت کو اور جلا بخشتے ہیں اور اس کے مضمرات ارتقا کو اور ابھارتے ہیں، چاہے ان کا تعلق اس کی سیرت و کردار کے معجزات سے ہو اور چاہے ذہن و عقل کے خوارق سے۔ غرض و مقصد کے اتحاد سے قطع نظر ہم یہ کہیں گے کہ دونوں کے جوہر و مزاج میں ہی اتحاد و یگانگت پائی جاتی ہے۔ وحی و تنزیل کے داعیے اپنی آغوش میں عقل و خرد کے وہ تمام آفتاب چھپائے ہوئے ہے جس کی روشنی میں تہذیب و تمدن کے قافلوں کو آگے قدم بڑھانا ہے اور اسی طرح عقل و خرد کے عملیے میں وحی و الہام کے تقاضوں کا بھی دخل ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں ہے جب تشریع اور تکوین کے دائروں کو آپس میں بہر حال ملنا اور متحد ہونا ہے اور جب آسمانی اور زمینی کوششوں کو ایک ہی سانچہ میں ڈھلنا اور ظہور پذیر ہونا ہے۔

سسرو کے نقطۂ نظر کی غلطی

نبوت کے بارے میں ہم سسرو کی اس تقسیم کو صحیح نہیں مانتے کہ اس کا تعلق کہانت اور اظہار حقیقت کے ان خانوں سے ہے جس میں خواب و بیداری میں بربنائے حدس آئندہ واقعات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی غیر واضح جھلک دیکھ لینا اور اس کے بل پر پیش گوئی کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک نبوت اور کہانت وغیرہ میں رشتہ و تعلق کی نوعیت یہ نہیں کہ یہ کہانت کی ارتقائی شکل ہے۔ نبوت اللہ تعالیٰ کے فیوضِ ربوبیت کا ایک مستقل بالذات مظہر ہے۔ اس کا تعلق تدبیر الٰہی کے کرشموں سے ہے اور اصلاح و تعمیر کے اس باقاعدہ نظام سے ہے جس کا منتہائے مقصود تمام بنی نوع انسان کو زندگی کی ضروری اقدار سے روشناس کرنا اور اس کی فکری و عملی صلاحیتوں کو چمکانا اور سنوارنا ہے۔ یہ مظہر نہ تو بخت و اتفاق کی اعجوبہ کاریوں کا مرہونِ منت ہے اور نہ کسی غیر منطقی اور بے ڈھب مظہر فطرت کی ارتقائی شکل۔ اس کا تعلق عقیدہ و فکر کے ان تین اصولوں سے ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ زندہ، قیوم اور رحمت و شفقت کی ارزانیوں کا سرچشمہ اور مصدر ہے۔ اس کا اپنے بندوں سے تعلق بیگانگی اور اجنبیت کا نہیں، پیار اور محبت کا ہے جس کا اقتضا یہ ہے کہ وہ دنیا میں انسان کی اصلاح و تدبیر کا اہتمام کرے اور تاریخ کے ہر مناسب موڑ پر اس کی رہنمائی کرے، اس کو روشنی عطا کرے اور اس قابل ٹھہرائے کہ یہ اس کی صفات کا صحیح معنوں میں ترجمان ثابت ہو۔

۲۔ یہ ذاتِ حق اصلاح و تدبیر کے لیے ایسے نفوسِ قدسیہ کو چنے جو فکر و عمل کے لحاظ سے بالاتر اور فائق تر صلاحیتوں سے بہرہ مند ہوں، جو اپنے مخاطبین سے بہرحال اونچے ہوں، اور شخصیت و کردار کے اعتبار سے اس لائق ہوں کہ ان سے ایمان و عقیدت کے رشتوں کو استوار کیا جا سکے۔

۳۔ جس ماحول میں یہ حضرات تشریف لائیں اس میں ایسے حل طلب اجتماعی و انفرادی مسائل و مشکلات کا ہونا ضروری ہے جن کو یہ سلجھائیں اور ان کے جواب میں ایسی روش اختیار کریں جو معقول اور سمجھ میں آنے والی ہو۔

مظہرِ نبوت کیا ہے، اس کا کیا مقصد ہے، اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان سہ گونہ مقدمات کو تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے، فعال و کریم ہے اور چاہتا ہے کہ انسان اس دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرے کہ جس سے اس کو جسم و جان کی شادمانیاں حاصل ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کی اس خصوصیت کو ہم صفتِ "ربوبیت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے یونہی چھوڑ نہیں دیا ہے کہ یہ صدیوں زندگی کے تضادات سے نبرد آزما ہوتا رہے، اور بغیر کسی ہدایت اور زندگی کے واضح نقشے کے ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرے، اور خود اپنی محنت تجربہ اور عقل و خرد کی کاوشوں سے اپنے لیے راہ عمل دریافت کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ انسان آج بھی غاروں، جنگلوں اور صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا اور تہذیب و تمدن کی ضمیم آرائیوں سے قطعی محروم رہتا۔ یہ اس کا کرم بے پایاں اور عنایتِ فزوں تر کا فیض ہے کہ اس نے تہذیب و ترقی اور اصلاح و تعمیر کے عملیہ کو انبیا و رسل کے ذریعہ تیز تر کر دیا اور فکر و عمل کی ان تمام گمراہیوں سے انسان کو بچا لیا جو ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوتیں، اور بجائے اس کے انسان اپنے تجربات کی روشنی میں آگے بڑھتا، ان سے اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے نوعِ انسانی کی ہلاکت کا باعث بنتا۔

ہم جب نبوت و وحی کے سرچشمہ کی تعیین کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت و عنایت کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے انسان کی طرف سے نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن اور حالات و واقعات کی کروٹیں یا انسانی جذبہ تحقیق و جستجو اور مجاہدہ و ریاضت کی کوششیں اس کو جنم نہیں دیتیں بلکہ آسمان اور اللہ تعالیٰ کی بخششیں اور محبت اس کو بروئے کار لانے کی ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ ہم پیغمبر کی اپنی عظیم تر ذہنی و عملی صلاحیتوں کا انکار کرتے ہیں اور اس کے قلب و ذہن میں تحقیق حق اور سچائی کو ماننے کا جو بے پناہ جذبہ موجزن ہوتا ہے ہم اس کی نفی کرتے ہیں اور پیغمبر کو محض ایک غیر فعال، غیر متحرک اور آلہ تسلیم کرتے ہیں جو وحی و الہام کی موجوں کو وصول کرتا اور انسانوں تک پہنچا دیتا ہے اس کے برعکس ہم پیغمبر کی ذاتی خوبیوں اور اس کی ذہنی و فکری بلندیوں کو مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حالات و مسائل کے مطالعہ سے خود اس کے دل میں بھی حق جوئی کے ولولے پیدا ہوتے ہیں اور شدت و اشتیاق میں اس درجہ بڑھ جاتے ہیں کہ آخر الامر یہی جستجو، ولولہ اور طلب و تلاش کی کوششیں اس کے اندر ان ذہنی صلاحیتوں کو چمکانے کا سبب بنتی ہیں جن کی بدولت یہ اس لائق ٹھہرتا ہے کہ حق تعالیٰ کے عطا کردہ اس منصب کو قبول کر سکے اور وحی و الہام کی روشنی میں ابنائے نوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی اصلاح و تعمیر کے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکے۔

اس اہم اور بدرجہ غایت توجہ طلب موضوع سے ناانصافی ہو گی اگر ہم بحث کے اس مرحلہ میں یہ نہ بتائیں کہ نبوت کی تشریح فارابی کے نظریہ تخیل اور صوفیا کی بولی میں مجاہدہ و ریاضت کی طرفہ طرازیوں سے کیوں نہیں ہو سکتی۔

اس لیے کہ وحی، تخیل و کشف کے نتائج اور ان کی نظرت اور اسلوب بالکل مختلف اشیاء کا نام ہے۔ دونوں میں اصولی اور بنیادی فرق یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں، معروضیت سے بڑی حد تک تہی ہیں۔ دونوں کا تانا بانا متعین تعلیم اور مخصوص عقائد و نظریات کی کارفرمائیوں سے تیار ہوتا ہے۔ جب کہ وحی و تنزیل یکسر معروضی حقائق کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس میں معاشرہ کے مادی تقاضوں، اجتماعی مشکلات اور تضادات کا حل تو موجود ہوتا ہے مگر اس کی حیثیت یہ نہیں ہوتی کہ یہ اپنے دور کے حالات و کوائف کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئے۔ یہ اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے ایک مستقل بالذات حقیقت ہے جس کا سرچشمہ عنایت الٰہی کا فیض گسترانہ فعل و عمل ہے۔

ان میں اور وحی الٰہی میں دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ تخیل و کشف کی بلند پروازیوں کا بالعموم تعلق چونکہ موضوعیت سے ہوتا ہے، اس لیے اس کے حاصل کردہ نتائج کی حیثیت ایک فرد یا شخص کے اپنے تجربات و احوال اور اپنے حدود ذہنی کے تطابق سے زیادہ نہیں ہوتی، اس میں وہ میں وہ جامعیت اور انسانی زندگی کے جملہ اصلاح طلب پہلوؤں کا استیعاب نہیں ہو پاتا جس کو وحی اپنے آغوش میں سمو لیتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وحی اپنے عملیہ کے اعتبار سے ہمیشہ کلیت کی حامل ہوتی ہے اور کشف و تخیل کے نتائج جزئیات کی سرحدوں سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔

وحی و تنزیل اور تخیل و کشف کے نتائج میں تیسرا فرق حجت و استناد کا ہے۔ وحی اس لیے حجت و مستند ہے کہ اس میں خطا و لغزش کا احتمال نہیں ہوتا اور یہ اس وجہ سے حجیت و استناد سے عاری ہیں کہ خطا و لغزش کا ہدف و نشان بنتے رہتے ہیں۔

یہاں تک تو تقابل کی صورت یہ تھی کہ ہم نے تخیل و کشف کے نتائج پر ایک ساتھ غور کیا لیکن اگر مقابلہ صرف کشف اور وحی و تنزیل کے درمیان ہو تو ان میں چوتھا فرق جو ابھر کر نظر و فکر کے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ کشف کی ترکیب و ساخت میں چونکہ موضوعیت اور معروضیت کے دوگونہ عناصر ملے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخفی رہتے ہیں اور اظہار کا طریق رمزیہ ہوتا ہے، اس بنا پر اس کی کئی تعبیریں ہوسکتی ہیں اور وحی سے معاملہ میں یہ نہیں ہوتا۔ وحی ہمیشہ صاف، واضح اور متعین زبان و تعبیر کی حامل ہوتی ہے جس میں الجھاؤ، تضاد اور تعبیر کی کثرت و بوقلمونی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک وحی کے متعلق دوسرے اور تیسرے اصول کا تعلق ہے، اس کے لیے دلیل آرائی کی قطعی ضرورت نہیں، ان کی وضاحت و تشریح ہی ان کی حقانیت پر دلالت کناں ہے۔ مزید برآں ایسا ہوتا ہے کہ بسا اوقات سچائیاں اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود حجت و استناد کے ایسے معیار قائم کرلیتی ہیں کہ جن سے انحراف ممکن نہیں رہتا۔ بیکن نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ حقیقت کا اثبات ضروری نہیں کہ صغریٰ کبریٰ ( ) کی ترکیب و ساخت ہی کا مرہون منت ہو۔ تجربہ اور نتائج کی صحت و استواری بھی بسا اوقات اثباتِ مدعا کا کام دے جاتی ہے۔ اگر انبیا کی ذہنی سطح اپنے ہم عصروں سے اونچی نہ ہوتی، اگر ان کے کردار میں اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور بلندی نہ پائی جاتی اور اگر یہ پیش آمدہ مسائل کا صحیح صحیح حل پیش نہ کر پاتے تو یہ نوع انسانی کی کوئی خدمت سرانجام نہ دے سکتے اور اپنے ہم زمانہ لوگوں میں اپنے لیے محبوبیت و پذیرائی کا وہ مقام ہرگز حاصل نہ کر پاتے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے نقوشِ قدم کی پیروی و اطاعت صدیاں بیت جانے کے بعد بھی انسانی سعادت کی معراج قرار پاتی۔ تاریخ نے اگر کچھ نامور شخصیتوں اور فکر و کردار کے سانچوں کو محفوظ رکھا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دور میں فکر و تصور کی بلندی اور کردار و سیرت کی استواری و پاکیزگی کے ایسے نمونے پیش کیے ہیں اور انسانی معاشرہ کی اصلاح و تعمیر کے لیے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ تاریخ باوجود اپنی سرد مہریوں کے ان کو بھلا نہیں سکی۔ اور یہی صورت حال مظہرِ نبوت کی تحقیق و اثبات کا قابلِ اعتماد پیمانہ بھی ہے۔ عنایتِ الٰہی کی ان ارزانیوں سے، جو نبوت و رسالت کی اصطلاحوں سے تعبیر ہیں، انسان کی ذہنی، فکری شادمانیوں کا اگر اہتمام ہوا ہے اور ہر ہر دور کے مسائل و مشکلات کی گتھیاں اگر انھوں نے سلجھائی ہیں اور تہذیب تمدن کے قافلوں کو آگے بڑھایا ہے تو اپنے دعووں میں بلا شبہ یہ حضرات صادق تھے اور ان کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے کسی مصنوعی فلسفہ، منطق آرائی اور علم الکلام کی ضرورت نہیں۔ ان کے پیغام کی کامیابی، ان کی ذہنی و فکری بلندی اور کردار و سیرت کا غیر معمولی تفوق ہی وہ حقائق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو ان کو صداقت شعار قرار دینے کے لیے کافی ہیں۔

تصوّرِ نبوت کے بارے میں ڈاکٹر صبحی الصالح کی حرفیت پسندی

جس طرح ہم نے تصورِ نبوّت کے بارے میں سسمرو کے اس نظریہ سے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ کہانت و وحی کے دو خانوں میں تقسیم پذیر ہے، اور یہ بتایا ہے کہ نبوت کا اطلاق صرف ایک ہی متعین و مخصوص مظہر پر ہوتا ہے۔ اور وہ وہ ہے جس کا تعلق عنایتِ الٰہی کی فیض رسانیوں سے ہے۔ اسی طرح ہمیں اجازت دیجیے کہ ڈاکٹر صبحی صالح کے اس عجیب وغریب نظریہ کی تردید کریں کہ پیغمبر کی ذات دو مختلف عناصر سے تعبیر ہے۔ ایک عنصر وہ ہے جو وحی و تنزیل کے ارشادات کو قبول کرتا اور لوگوں تک پہنچاتا ہے، اور ایک وہ ہے جس کا تعلق پیغمبر کی بشریت سے ہے۔ جہاں تک پیغمبر کی اس حیثیت کا تعلق ہے جو وحی و تنزیل کا محل وگہوارہ ہے۔ اس میں بلاشبہ لغزش و خطا کا کوئی احتمال نہیں۔ لیکن بشری تقاضے ان کو نہ صرف لغزش و خطا کا ہدف ہی قرار دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی گناہ اور ذنب کے ارتکاب پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔

انھیں تعجب ہے کہ رازی اور سید رشید رضا نے قرآن حکیم کے ان مقامات کی تاویل کیوں کی، جہاں پیغمبر کے لیے 'ذنب' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جہاں بعض امور پر اس کو ٹوکا اور متنبہ کیا گیا ہے اور کھلے اور واضح الفاظ میں اس کے طرزِ عمل پر عتاب وسرزنش کا اظہار کیا گیا ہے، اور طلب مغفرت کی تلقین کی گئی ہے[۱]

رازی اور رشید رضا کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم کے اس اسلوبِ بیان اور ان مقامات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، جہاں پیغمبر کے لیے "ذنب" کا لفظ بولا گیا ہے۔ جہاں اس کو ایک خاص طرزِ عمل اختیار کرنے پر زجر و توبیخ کا سزاوار قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام مقامات تاویل طلب ہیں اور سیاق وسباق کی رعایت لغت و ادب کے صحیح مفہوم اور منصب نبوت کی عظمت و توقیر کی روشنی میں ان تمام آیات کی ایسی مناسب اور شایانِ شان تشریح ممکن ہے جس سے کہ

۱؎ مباحث فی علوم القرآن طبع سادس، بیروت، ص ۲۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی عصمتِ کردار پر حرف نہ آنے پائے اور ذاتِ پیغمبر بدستور انسانی ہدایت و رہنمائی کا مینار بنی رہے۔ ہمیں رشید رضا اور رازی کے موقف سے پورا پورا اتفاق ہے

ہمارے نزدیک صبحی صالح نے نبوت کے بارے میں جس طریق استدلال کا سہارا لیا ہے وہ کھری حرفیت پسندی پر مبنی ہے اور اس بصیرت، عمق اور منطق سے قطعی محروم ہے جس سے نبوت کے فہم و ادراک میں مدد لینا چاہیے۔ قرآنِ حکیم کی رو سے نبوت کیا ہے؟ کن کن ذہنی و فکری خوبیوں اور بلندیوں سے آراستہ ہے اور نبی وحی و تنزیل کے کون کون خزائن اللہ کے بندوں تک پہنچانے پر مامور ہے؟ اس سے قطع نظر کہ خود ان باتوں سے بھی اس کی حیثیت کا تعین ہوتا ہے۔ اس کی ذات پر اس حیثیت سے غور کرنا چاہیے کہ انسانی معاشرہ میں اس کا کردار کیا ہے۔ کیا اس کو لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے نہیں بھیجا جاتا۔ کیا اس کی ذمہ داریوں میں یہ بات داخل نہیں کہ یہ فرد و معاشرہ کو گناہ و معصیت کی راہ سے ہٹا کر صحت و صواب اور تزکیہ و تحلیہ کی راہ پر ڈالنے کی سعیِ بلیغ فرمائے۔ ان میں شر اور بغاوت کے جذبات کو فرو کرنے کی کوشش کرے، اور اطاعت و پیروی کی روح پھونکے۔ ان کو فکر و عمل کی پاکیزگی بخشے اور اس لائق ٹھہرائے کہ اس عالمِ شر و فساد میں نیکی کا پرچم اونچا رکھیں۔

اگر ہمارا یہ تجزیہ صحیح ہے اور پیغمبر کا اجتماعی کردار ان تمام تقاضوں کو امکان کی حد تک پورا کرنے کا ذمہ دار ہے تو پھر اس کی حیثیت یہ تو ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ یہ گناہ اور معصیت کے اثرات سے اپنا دامن بچا ہی نہ سکے، اور احکامِ الٰہی یا منشائے الٰہی کا چلتا پھرتا نمونہ اور ترجمان بننے کے بجائے ادبدا کر خود بھی ادنیٰ خواہشات کے گڑھے میں کود جائے۔ پیغمبر کے بارے میں یہ بدگمانی، بدذوقی اور ذاتِ پیغمبر سے بیگانگی پر مبنی ہے۔ پیغمبر کا وجود کسی نوع کی ثنویت کا متحمل نہیں ہوتا۔

اس حرفیت پسندی کے علاوہ جس نے کہ نبوت کی وحدت کو دو خانوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا ہے، ڈاکٹر صبحی صالح کے طرزِ استدلال میں خامی دو وجہ سے ابھری ہے۔ ایک تو انہیں یہ معلوم نہیں کہ بشریت کے حدود و ارتقا کہاں سے کہاں تک وسعت پذیر ہیں، اور دوسرے ان کی نظر وحی کی ضوفشانیوں سے نا آشنا ہے۔ جہاں تک انبیا کی بشریت کا تعلق ہے اہلِ علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حلقوں میں اس میں دو رائیں پائی نہیں جاتیں۔ قرآن حکیم نے بار بار ان کی بشریت کا اقرار کیا ہے۔ اقرار ہی نہیں کیا، اس پر زور دیا ہے اور اس کو ایک مسلمہ عقیدہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور مشرکینِ مکہ کے اس استعجاب و انکار پر کہ کیا بشر رسول ہو سکتا ہے، یہ بتایا ہے کہ بشری کو یہ زیبا ہے کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہو سکے۔ کیونکہ بصورتِ دیگر اس کی زندگی عالم بشری کے لیے نمونہ و اسوہ کیونکر قرار پا سکتی ہے؟

نقطۂ اختلاف یہ امر ہے کہ بشریت کے مضمرات ارتقا متعین اور محدود ہیں اور کیا بشر کے معنی صرف اکل و شرب کے عادی اور انسانی کمزوریوں کی حامل مخلوق ہی کے ہیں، یا رشد و اصلاح اور تعلیم و تزکیہ اور مجاہدہ و ریاضت کی خوبیوں سے اس مقام تک بھی اس کی رسائی ممکن ہے کہ جہاں یہ بشر ہوتے ہوتے بھی گناہوں سے اپنا دامنِ عمل بچا لینے پر قدرت حاصل کر سکے۔ یہی نہیں، جہاں اس کی حرکت و عمل کا محور صرف گناہوں سے باز رہنا اور مجتنب رہنا ہی نہ ہو بلکہ اس کی تلاش و جستجو اور دوڑ کا مرکز یہ سوال قرار پاتے کہ یہ کس حد تک خوب سے خوب تر کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ کس حد تک حسن سے احسن تک ترقی کر سکتا ہے، اور کس حد تک یہ اپنی اخلاقی و روحانی سطح کو بلند سے بلند تر فراز تک اچھال دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہمارے نزدیک بشریت اپنے فکری و عملی ارتقا کے اعتبار سے کلی مشکک ہے جس کے اوائل کا تعین تو ممکن و معلوم ہے، انتہا کی تعیین نہیں کی جا سکتی یعنی ہم نہیں بتا سکتے کہ اس کے فکر کی پیہ شاذ کن کن معجزاتِ عقلی کا احاطہ کرے گی اور اس کی محبتِ خیر و حق اس کو کردار و عمل کے کن نئے نئے آفاق سے روشناس کرائے گی۔ انبیا کی نسبت سے عصمت عمل و کردار کا تصور بشریت کے معمولی اور ابتدائی درجے کی غمازی کرتا ہے جس پر بہت سے حکیم اور صوفی فائز رہے ہیں۔ انبیا کا وصف اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود کامل و معصوم ہوں بلکہ انسانوں کو کمال و خیر کی راہ دکھائیں۔ چنانچہ یہ حضرات صرف معصوم ہی نہیں ہوتے، خیر کا پیکرِ فعال بھی ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت ایسے سرچشمۂ فیض کی ہوتی ہے جس سے ہمیشہ نیکی، سچائی اور خیر کی لہریں اٹھتی اور چھلکتی رہتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ پیغمبر سے بھی سہو و نسیان اور لغزشِ فکر کا صدور ہو سکتا ہے لیکن اس لغزشِ فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حیثیت یہ نہیں ہوتی کہ یہ گناہ اور نیکی میں سے اپنے لیے بتقاضائے بشری کوئی گناہ پسند کر لیتا ہے، اور اس طرح اپنے منصب کو پورے طور سے ادا کرنے میں قاصر رہتا ہے۔ پیغمبر اور گناہ کا ارتکاب منطق کی کلی اصطلاح میں متناقض بنفسہ کے مترادف ہے، کیونکہ پیغمبر اگر عام انسانوں کی طرح گناہ گار ہے تو وہ اور سب کچھ ہو سکتا ہے پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر کی غلطی کس نہج کی ہوتی ہے اس کو سمجھنے کے لیے ایک سائینٹسٹ، ایک طبیب، اور فقیہ کی مثال فکر و نظر کے سامنے لایئے۔ فرض کیجیے، ایک سائینٹسٹ اپنے معمل میں طبیعیات کے بعض قوانین کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے اور اس سلسلہ میں بسا اوقات بعض ایسے مفروضے اور مقدمات فرض کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جو نتائج کے اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے فکر و فہم کی یہ غلطی اس کے جذبۂ تحقیق کو روک دینے کا باعث نہیں ہوتی، بلکہ اس جذبہ کے لیے مہمیز ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح طبیب مریض کے علاج کے سلسلہ میں مختلف دواؤں کو آزماتا ہے اور آخر کار ناکامی کی صورت میں مایوس نہیں ہو جاتا بلکہ صحیح نسخہ دریافت کر لینے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

یہی حال فقیہ کا ہے، وہ بھی جزئیات و مسائل کے حل و کشود کے لیے مختلف اصول جانچتا پرکھتا ہے، مختلف آیات و احادیث پر نظر دوڑاتا ہے اور تطبیق و اطلاق کے ضمن میں بعض اوقات اجتہاد و فکر کی بے راہ روی کا مرتکب بھی ہو جاتا ہے۔ ان میں کسی کی غلطی بھی ایسی نہیں جو جرم، گناہ اور فن و منصب سے غداری کہلائے۔ کیونکہ فکر و عمل اور سعی و طلب کے عمل کا یہ خاصہ ہے کہ صحت و صواب کی تلاش میں انسان لغزش کا بھی شکار ہو جاتا ہے چنانچہ اس میں بلاشبہ ایسے مقامات آتے ہیں جہاں سے ایک سائینٹسٹ، ایک طبیب اور فقیہ مختلف زاویہ ہائے نظر سے دوچار ہوتا ہے اور پریشان ہو جاتا ہے کہ حصول مقصد کی خاطر یہ کس اصول کا اطلاق کرے اور معاملہ زیر بحث کو کس زاویہ نظر سے دیکھے اور جانچے اور پھر جب اس بارے میں ان سے کسی لغزش کا صدور ہو جاتا ہے جو بتقاضائے بشری ہونا چاہیے۔ تو یہ لغزش ایک اناڑی، جاہل اور احدی انسان کی لغزش نہیں ہوتی کہ اس پر یہ موردِ عتاب ٹھہرے، یہ لغزش ایک بیدار عقل، ایک بے قرار جستجو، اور عالم و فقیہ کی لغزش ہوتی ہے، جو آئندہ کامیابیوں کی تمہید بن جاتی ہے۔ یہی حال پیغمبر کی سعی و جستجو کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھیک اسی طرح ایک پیغمبر معاشرہ کی اصلاح یا اپنی روحانی تکمیل وارتقاء کے سلسلہ میں جب خوب سے خوب تر کی تلاش میں فکر و اجتہاد کی کوششوں کا آغاز کرتا ہے تو کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ وہ خوب تر کے بجائے خوب پہ قناعت کر بیٹھے، اور اولیٰ و افضل کو اختیار کرنے کے عوض مباحات ہی کو اپنا لینے میں مصلحت سمجھے۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کی یہ لغزش اجتہاد و فکر جو فی نفسہ خیر اور بہت بڑی نیکی ہے، گناہ اور معصیت سمجھی جائے، یا پیغمبر کے اس اختیار کو خواہشاتِ نفس کی پیروی پر مبنی مانا جائے۔ پیغمبر نہ کبھی نفس کی سطح سے بولتا ہے اور نہ نفس کی سطح سے متاثر ہوکر کوئی قدم ہی اٹھاتا ہے۔ وہ اپنے عمل و کردار کے لیے جس قندیل سے روشنی حاصل کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور احکام الٰہی کی قندیل ہے جس کی لو کبھی مدھم نہیں ہونے پاتی۔

کلامِ حکیم

مرتبہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

یہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا مجموعۂ کلام ہے۔ خلیفہ صاحب مرحوم کو شعرگوئی کا ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا اور انھوں نے غزل، نظم، قطعہ، رباعی وغیرہ مختلف اصنافِ سخن پہ طبع آزمائی کرکے اپنی شعری صلاحیتوں کا سکہ بھی بٹھا دیا۔ اس مجموعہ میں خلیفہ صاحب کے زمانۂ طالب علمی سے لے کر آخری دور تک کا کلام شامل ہے۔ جس کا بیشتر حصہ زمانۂ قیام حیدرآباد دکن (۱۹۱۸-۱۹۴۳) کی ادبی صحبتوں کی یادگار ہے۔ اور اس مجموعے میں ان کے متوازن و متحرک ذہن کے بہت سے گوشے بے نقاب نظر آتے ہیں۔

قیمت: ۸ روپیے

پتہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com